

کی طرف دیکھ کر، SLIP OF THE TONGUE بس عادت ہو گئی ہے۔

صابر :- (مسکراتے ہوئے) کب سے ؟

کمال :- جب سے ملازم ہوا ہوں، اس کے بغیر پبلک ریمیشننگ مکمل نہیں ہوتی۔

صابر :- ملازمت کر رہے ہو یا پبلک ریمیشننگ ۔

کمال :- دونوں لازم و ملزوم ہیں (مصنوعی غصے سے) میرا انٹرویو لے رہے ہو کیا ؟

صابر :- میرا مشغلہ انٹرویو دینا ہے لینا نہیں۔

کمال :- لا حول و لا ۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا، بھی تمہارے انٹرویو کا کیا ہوا۔

صابر :- (مسکرا کر) ہم وضع دار لوگ ہیں۔ اگر دوسرے اپنی خود نہیں چھوڑتے تو ہم اپنی

وضع کیوں بدلیں۔

کمال :- مطلب ؟

صابر :- مطلب یہ کہ آج بھی وہی کچھ ہوا ہے جو پچھلے درجن بھر انٹرویوز میں ہوا تھا۔

ڈسٹرکائی اور سینڈ وچز لاکر مینز پر رکھتا ہے۔ کمال اپنے دوست کی ناکامی پر غمیدہ ہے۔

کمال :- دیے ہوں گے نالٹ پلٹ جواب۔ انٹرویوز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال

کرا پیے دیکھا ہوگا۔ جیسے وہ تمہارا نہیں تم ان کا انٹرویو لے رہے ہو۔ صابر

آخر یہ سب کچھ کب تک چلے گا؟ تمہیں بالآخر اپنی وضع بدلنی ہی ہوگی۔

صابر :- قدرے دشتنگی سے، الٹ پلٹ نہیں، درست جواب، دیے تھے۔ اور درست

جواب وہ سننا نہیں چاہتے۔

کمال :- تمہیں کس حکیم نے کہا ہے کہ اس قسم کے درست جواب دیا کرو۔ صابر کامیابی

کے لیے تمہیں انٹرویوز میں وہی جواب دینا ہوں گے جو لوگ سننا پسند کرتے

ہیں۔ تمہیں اسی طور BEHAVE کرنا ہوگا۔ جیسے وہ چاہتے ہیں تمہیں انہی

عادات و اطوار کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ جو وہ تم سے EXPECT کرتے ہیں تمہیں

خود اعتمادی کے بلند زینے سے اتر کر اس زمین پر پاؤں رکھنا ہی ہوگا۔
 صابر ۱۔ (غصے سے) لیکن کیوں کمال؟ کتنے لوگ ہیں جن کے پاس مجھ سے بہتر
 CREDENTIALS ہیں۔ آج تک جتنے انٹرویوز کے لیے گیا ہوں میری
 تعلیمی قابلیت ان کے معیار سے ہمیشہ کہیں بہتر ہوتی ہے۔ مجھے آج تک
 کسی نے لا جواب نہیں کیا۔ میں اپنا حق مانگتا ہوں۔ کسی سفارش کے بغیر—
 چاہلوسی کا نقاب اوڑھے بغیر۔ جس ملازمت کو میں DESERVE کرتا ہوں۔
 اس کے حصول کے لیے میں چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ کیوں سجاؤں؟ بھیک
 کیوں مانگوں۔ ان پستیوں میں تو وہ اترے جس کے CREDENTIALS
 SOUND نہ ہوں۔

کمال ۱۔ (قدرے جھینپ کر) بھئی اب اتنا پرسنل ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔
 مانتے ہیں کہ ایم اے ہم نے آخری ڈویژن میں بمشکل پاس کیا۔ ہاکی سٹک کا
 الٹا سیدھا جانے ہماری بلا۔ کالج کے پرچے کے لیے کوئی لطیفہ روانہ کرتے
 تھے تو جناب انگریزی کی سچاس غلطیاں نکال کر ہمیں واپس کر دیا کرتے تھے
 لیکن —

صابر ۱۔ (مخفوظ ہو کر) لیکن کیا؟

کمال ۱۔ لیکن مجھے ملازمت کرتے دو برس ہوئے کو آئے اور تم ابھی تک اپنے
 آٹوریٹاؤں پر براجمان ہو۔ مجھے پہلے انٹرویو میں ہی جس قسم کی نوکری آفر
 ہوئی میں نے قبول کر لی۔ اور اب دیکھو اپنی محنت سے۔

صابر ۲۔ پوائنٹ آف آرڈر۔ پیسک ریلیٹنگ سے۔

کمال ۱۔ چلو پیسک ریلیٹنگ سے ہی سہی۔ بہر حال اوپر تلے تین پروموشنز لے
 چکا ہوں۔ کمپنی نے کارڈے رکھی ہے۔ گھر کے لیے قرضہ منظور ہو چکا ہے۔

صابر :- (بے صبری سے) یہ سب کچھ مجھ سے نہ ہو گا۔
 کمال :- نہیں ہو سکتا تو آرام سے گھریں بیٹھو۔ اور گرتے رہے بوڑھے باپ
 کی قلیل پنشن کو۔ اور عائشہ بی بی سے معذرت کر لو کہ —
 صابر :- اب تم پرسنل ہو رہے ہو۔

کمال :- دوستوں کو پرسنل ہونے کا حق ہوتا ہے۔
 صابر :- لیکن کمال میں بے بس ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی اور میرے راستے
 بدلے۔ میں چاہوں گی اس دوڑ میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اس موجودہ
 تہذیب میں۔ تہذیب کے اس جنگل میں میں اپنے آپ کو گم نہیں کرنا چاہتا۔
 میں اپنی انفرادیت برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔
 کمال :- اپنی بے جا انفرادیت کو برقرار رکھنے کی خاطر بھی تمہیں اس جنگل کے
 قوانین کے مطابق جدوجہد کرنی ہوگی۔

صابر :- قانون دوسرے لوگ بنائیں اور جدوجہد میں کروں۔ میں اپنے قانون
 خود بنانا چاہتا ہوں۔

کمال :- بناتے رہو اپنے قانون۔ یہاں تک کہ تم کوڑھ کے ایک مریض کی طرح
 معاشرے سے کٹ کر رہ جاؤ۔ تمہاری انفرادیت اور خود اعتمادی اپنی جگہ۔

مگر صابر ڈیرہ یہاں تو SURVIVAL OF THE FITTEST
 کا مسئلہ ہے۔

صابر :- کیا میں FITTEST نہیں ہوں۔

کمال :- اپنی ذات کے نق و دق صحرا میں شاید۔ مگر اس جنگل میں — فی الحال نہیں۔

ایک انتہائی خوش پوش نوجوان سگار منہ میں اڑنے سے ایک خوب رو دو شیزہ کا ہاتھ پکڑے
 کافی بارہ میں داخل ہوتا ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی صابر پر نظر پڑتی ہے۔

نوجوان :- آہ صابر۔

صابر اور کمال اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

نوجوان :- اور جناب کمال صاحب بھی۔

ہاتھ ملاتے ہیں۔

صابر :- بھی کمال۔

کمال :- مجھ سے کچھ کہا؟

صابر :- ارے نہیں۔ بھی کمال ہے۔ تم تو پیچانے ہی نہیں جاتے اظہر کیا وہ کالج

کے زمانے کا سوکھا سٹراٹز کا اور کہاں یہ کہ ڈبل قسم کی صحتیں بنا رکھی ہیں کس

چکی کا کھاتے ہو؟

اظہر :- دقہقہہ لگا کر کھانا نہیں۔ سونگستا ہوں۔ کامیابی کی بھینی بھینی خوشبو۔

کمال :- (مسکرا کر) کہاں ملتی ہے ہم بھی دو چار لمبے لمبے سانس لے کر اپنے پھیپھڑے

بھریں۔

اظہر :- اپنے والد صاحب کی نئی فیکٹری میں... کسی روز آ جانا... بلکہ آج کل

میں ہی آ جانا دکنڈھے پر دھپ لگا کر (کیونکہ جس حساب سے تم آج کل

مخے نوشی کر رہے ہو۔ اگلے دو چار برسوں میں تمہارے پھیپھڑے اس قابل

ہی نہیں رہیں گے کہ ان میں کچھ بھرا جاسکے۔ دقہقہہ لگاتا ہے اور صابر سے

مخاطب ہوتا ہے، ایم اے کے رزلٹ کے بعد (منہ بنا کر) اور WHAT

A RESULT? آج ملاقات ہو رہی ہے کہاں رہتے ہو۔

صابر :- یہیں آس پاس!

اظہر :- آس پاس! اگر آس پاس رہتے تو کمال کی طرح تم سے بھی ملاقات

ہوتی رہتی مگر....

صابر :- تم دونوں کا آس پاس اور میرا آس پاس قدرے مختلف سطحوں پر واقع ہیں....
 کمال :- بے شک۔ بے شک! آپ فضا بسیط ہیں پرواز کرنے والے اور ہم غریب
 غریب (ٹائی سے کھیلتے ہوئے)، زمین پر ریگنے والے (ہنس کر) فلسفے کی
 مار دے رہے ہو پیارے۔ ہم ان فلسفوں سے مرنے والے نہیں۔
 صابر :- یہ میں جانتا ہوں۔

کمال :- (جہانی لے کر) اظہر فی الجہاں اس آس (کافی بار کے دروازے میں کھڑی اظہر
 کی دوست لڑکی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) کو تو اپنے پاس بلا لو۔
 اظہر :- (اونہوں (سر ہلاتا ہے) اتنا کچا بھی نہیں ہوں۔ کالج میں تو ہاتھ کر جاتے تھے نا۔
 اللہ اللہ کیا شہرتیں تھیں جناب کی۔ لڑکیاں کہا کرتی تھیں کہ ہائے کمال اتنا
 چارمنگ ہے کہ درختوں پر بیٹھے پرندوں کو ایک نظر دیکھ لے تو وہ نیچے آکر اس
 کے قدموں تلے لوٹنے لگتے ہیں... ناں بابا... اور پھر (سرگوشی کے ہجے ہیں،
 اس آس کے ساتھ میں قدرے SERIOUS بھی ہوں۔ ممکن ہے تمہاری
 بھابی ہی بن جائے۔

کمال :- تمہارے پچھلے ریکارڈ کی بنا پر یہ ممکن ہمیشہ ناممکن رہے گا۔

تینوں ہنستے ہیں۔

اظہر :- (صابر سے مخاطب ہو کر) یار بڑی مسرت ہوئی آج تم سے مل کر بے لوث
 یاریاں تو طالب علمی کے زمانے کی ہی ہوتی ہیں۔ بعد میں تو صرف CAL-
 CULATED قسم کی دوستیاں رہ جاتی ہیں... بہر حال ملونا کسی وقت
 تفصیلی گفتگو کی جائے... فون نمبر دے دوں۔ (کوٹ کی جیب میں ہاتھ
 ڈالتا ہے۔ اور پھر کچھ سوچ کر باہر نکال لیتا ہے) خیر جیپوٹر کسی وقت گھر
 آؤں گا۔ ابھی تک (دماغ طنز کے ساتھ) وہیں پر ہونا جہاں تم سے نوٹس

بے آ کر تا تھا۔

صابر :- وہیں پر ۔

تینوں ہاتھ ملتے ہیں۔ صابر اور کمال دوبارہ بیٹھ جاتے ہیں۔ اظہر اپنی دوست لڑکی کے پاس جا کر اس کا ہاتھ تھامتھا ہے اور وہ کاؤنٹر کے سٹولوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔

صابر :- تمہیں یاد ہے کمال، ایک زمانہ تھا کہ اس چنڈ کو ہم ایک محفوظ فاصلے پر ہی رکھتے تھے۔ اور آج تم نے دیکھ لیا کہ وہ مجھے اپنا فون نمبر دینے سے بھی گریز کر رہا تھا۔

کمال :- کامیابی کی بھیجی بھیجی خوشبو سے بدست !

صابر :- باپ کی جاگیر پر بیٹھ جانے کو میں کامیابی نہیں گردانتا۔

کمال :- کامیابی کی قسمیں نہیں ہوا کرتیں صابر۔ کامیابی صرف کامیابی ہے ۔

تم بھی ناممکن کے حصول کا خواب دیکھنا چھوڑ دو تو اس سے ہمکنار ہو سکتے ہو۔

صابر :- (جھٹاکر) کمال کون کہتا ہے کہ میں ناممکن کا حصول چاہتا ہوں۔ میں

تو صرف اپنا جائز حصہ مانگتا ہوں۔ اپنی تعلیمی قابلیت کے مطابق۔ اپنی

ٹیلنٹ کی بنیاد پر ۔

کمال :- اس دنیا میں کتنے لوگ ہیں جنہیں ان کی ٹیلنٹ کی بنیاد پر حصہ ملتا

ہے۔ یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔

صابر :- میں یہی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ قسمت کا اس میں کوئی عمل دخل

نہیں —

کمال :- دتنگ آکر، تو ٹھیک ہے ثابت کرتے رہو۔

تھوڑی دیر کے بے دونوں خاموش رہتے ہیں۔

کمال :- صابر مجھے دوست تو مانتے ہو نا ! مشورہ خیر کیا دوں گا صرف تمہاری

بہتری کے لیے کہتا ہوں۔ اگر کامیابی کے تالاب میں تیرنا چاہتے ہو۔۔۔۔

صابر :- (نفرت سے) یہ تالاب نہیں گھر ہے، کھلا بدبودار گھر۔

کمال :- لیکن اس کے باوجود تم اس میں تیرنا چاہتے ہو؟!

صابر :- میں نہیں چاہتا۔ میری پشت پر ہاتھ ہیں، میری ماں۔ باپ اور منگیتر

کے ہاتھ جو مجھے اس میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔

کمال :- (سٹپنا کر) آخر تم چاہتے کیا ہو؟

صابر :- (کھوجاتا ہے) ہیں؟

————— فلیش بیک —————

۱۔ چوتھے منظر کے تمام تر فلیش بیک REPEAT۔

۲۔ تتلیاں پکڑنے کا جال اب زیادہ حرکت میں ہے۔ چوتھے منظر سے زیادہ۔ اس

میں بچے کے چہرے کی INTERCUTTING۔

سین نمبر ۶

صابر باہر سے آتا ہے۔ مشترکہ بیڈ روم میں داخل ہوتا ہے۔ سر جھکائے ہوئے۔

باپ چارپائی پر بیٹھا حقہ گڑگڑا رہا ہے۔ سر اٹھا کر صابر کی طرف دیکھتا ہے۔ اور

پھر حُتے کا ایک لمبا کش لگاتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ صابر آج پھرنا کام لوثا ہے۔ ماں

پیڑھی پر بیٹھی چاول چُن رہی ہے۔ صابر کو دیکھ کر چاول رکھ دیتی ہے۔ اس کی سوالیہ

نظریں صابر پر ہیں۔ صابر ماں سے نظریں ملانے بغیر لمحہ بھر کے نیے رکتا ہے۔ گردن

کھجاتا ہے۔ اور پھر دوسرے دروازے سے ڈرائینگ روم میں چلا جاتا ہے۔ ماں اور

باپ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ صابر ڈرائینگ روم میں داخل ہوتا ہے۔

ٹافی کی گرہ کھولتا ہوا۔ ڈرائینگ روم میں ایک پرانا صوفہ اور بید کی چند کرسیاں۔

کارنس پر عائشہ کی ایک تصویر۔ ایک گلدان۔ عائشہ اس میں تازہ پھول سجا رہی

ہے۔ صابر کوٹ اتارنے لگتا ہے۔ مگر عائشہ کو دیکھ کر رک جاتا ہے۔ کچھ دیر کے لیے اُسے خاموشی سے دیکھتا رہتا ہے۔ اور پھر چپکے سے صوفے پر بیٹھ جاتا ہے۔ عائشہ اپنی دھن میں مگن ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔

صابر :- خالہ جان کیسی ہیں ؟

عائشہ :- بخار اُتر گیا ہے۔ اب سو رہی ہیں۔

عائشہ کا خیال ہے کہ صابر اُسے انٹرویو کے نتیجے کے بارے میں آگاہ کرے گا مگر وہ خاموش رہتا ہے۔

عائشہ :- انٹرویو کیسار ہا ؟

صابر بے دھیانی میں صرف کندھے سکیڑتا ہے۔ اور پھر اُٹھ کر شیف پس سے ایک کتاب نکال کر ریڈنگ ٹیبل پر بیٹھ جاتا ہے۔

عائشہ :- صابر !

صابر جواب نہیں دیتا۔ بظاہر کتاب میں مگن ہے۔ عائشہ قریب جا کر میز سے کتاب اٹھا لیتی ہے۔ صابر اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہتا ہے۔

عائشہ :- تمہاری خاموشی سے مسائل تو حل نہ ہوں گے۔

صابر اس کی طرف دیکھتا ہے۔

عائشہ :- آخر کب تک صابر ؟ کب تک تم مجھے اپنی خود اعتمادی کی صلیب پر

چڑھائے رکھو گے ! تمہاری ہر ناکامی میرے جسم میں ایک میخ کی طرح گڑھ

جاتی ہے۔ مجھ میں چھلنی ہونے کی سکت نہیں۔ میں کب تک برداشت کروں

گی۔ صابر یا تو مجھے اس صلیب سے اتار کر اذیت سے چھٹکارا دلاؤ اور

یا پھر.....

صابر :- (غصے سے) اور یا پھر ؟

عائشہ :- تم اجازت دو تو میں خود نوکری کر لیتی ہوں۔ چھوٹا موٹا ٹیپنگ جاب تو مل ہی جائے گا۔

صابر کے چہرے پر دکھ کے آثار ہیں۔ وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ جاتا ہے اور آہستہ آہستہ بولنے لگتا ہے۔

صابر :- (نرمی سے) اتنی جلدی حوصلہ چھوڑ گئیں عائشہ؟ ابھی تو مسافروں کا آغاز بھی نہیں ہوا۔ تمہارے پاؤں ابھی سے تھکنے لگے ہیں؟

عائشہ :- مدتوں ایک ہی جگہ بے حس و حرکت جامد کھڑے رہنے سے پاؤں تھک ہی جاتے ہیں۔ میں حرکت کرنا چاہتی ہوں۔ ہم نے اگر سفر کا آغاز نہ کیا تو ہمارے پاؤں تلے کی زمین دلدل میں بدل جائے گی صابر!

صابر :- میں خود اس خالہ زاد رشتے کو مزید طول نہیں دینا چاہتا۔ بس جو نہی مجھے کوئی ایسی ملازمت ملی جو میں DESERVE

عائشہ :- DESERVE ... DESERVE ... DESERVE ! میں

تنگ آچکی ہوں اس لفظ کی تکرار سے کیا تمہارے بوڑھے والدین اس نیم وجودیت کو DESERVE کرتے ہیں جو تمہارے کام پر نہ لگنے کی وجہ سے ان پر مسلط ہے؟ کیا میری ماں ایک معزز اور خوشحال زندگی بسر کرنے کے بعد یہ DESERVE کرتی ہے کہ وہ یکدم بیوہ ہو جائے اور بقیہ عمر اپنی غریب بہن کے ٹکڑوں پر پلے؟ ایک کوٹھڑی میں مقید رہے۔ کون کیا DESERVE کرتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے؟ اور پھر میں بھی تو ہوں۔ میرے بارے میں بھی کبھی سوچا ہے؟ کیا میں تمہیں DESERVE کرتی ہوں؟

صابر اس آخری فقرے سے STUN ہو جاتا ہے۔

صابر :- کیا مطلب ہے تمہارا؟

عائشہ :- معزز خاندان سے تھا۔ کاروبار بھی وسیع تھا۔ وہ لوگ امی کی ختیں بھی کرتے تھے۔ بس یہی تھا کہ کہ لڑکا زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ امی بھی تیار تھیں۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔

صابر :- کیا تم اب اپنے فیصلے پر پچھتا رہی ہو!
عائشہ :- ابھی نہیں.....

صابر :- اس کا مطلب ہے تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟

عائشہ :- (دھنس کر) حیرت ہے، ادب سے لگاؤ کے باوجود تمہیں انہماک کے لیے اس عامیانہ لفظ کے علاوہ کوئی اور مناسب لفظ نہیں ملا... میں رومانی نادلوں کی ہیروئن نہیں ہوں کہ آہوں اور سسکیوں کا لحاف اوڑھ کر پوری عمر بتادوں۔ کم از کم میں... کیا کہتے ہیں اس محبت۔ اس خلائی جذبے سے کبھی آشنا نہیں ہوئی.... ہاں وقت گزرنے سے... ایک دوسرے کے قریب رہنے کی عادت ہو جاتی ہے ایک خاص چہرے کو دیکھنے کی۔ اسے محبت کہہ لو۔ بس مجھے بھی بچپن سے تمہیں دیکھنے کی عادت سی ہو گئی ہے اور میں اس تسلسل کو توڑنا نہیں چاہتی۔

صابر :- میں توڑنا چاہتا ہوں؟

عائشہ :- اگر تم کچھ دیر اور اپنے گرد تعمیر کردہ حصار سے باہر نہ نکلے تو پھر چاہنے نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

صابر :- لیکن عائشہ عزت نفس بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ تم چاہتی ہو کہ میں خوا خواہ لوگوں کے سامنے جھک جاؤں؟ خوشامد اور سفارش کی بیساکھیوں کے سہارے کامیابی کے راستے پر چلوں؟ مجھ میں طاقت ہے، قوت ہے، میں ان مصافحتوں کے لیے سہارے کا مبتلا شی نہیں ہوں۔

عائشہ :- سفر کے آغاز کے لیے اگر سہارا لے لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے ؟

صابر :- تو پھر تم چاہتی ہو کہ میں

عائشہ :- مجھے خود معلوم نہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔

نرگس دروازے کی اوٹ میں کھڑی کھانستی ہے۔ جیسے اپنی آمد کی اطلاع دینا چاہتی ہو۔

کھانسنے کی آواز آخری مکالمے پر ۵/۷ ہوتی ہے۔ عائشہ اور صابر جو قریب قریب

کھڑے تھے۔ پیچھے ہٹ کر مخالف کونوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نرگس کمرے میں داخل ہوتی ہے۔

نرگس :- السلام علیکم بھائی جان !

صابر مسکراتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور اپنی بہن کے سر پر پیار دیتا ہے۔

صابر :- وعلیکم السلام۔

نرگس آگے بڑھ کر خود عائشہ سے گلے ملتی ہے۔ اور پھر اسے دیکھتی ہے۔

نرگس :- بس (پیچھے ہٹ کر تحسین آمیز نظروں سے دیکھتی ہے) ... چشم بددور !

عائشہ بہن ہائے ہائے یہ بہن کا دم چھلا کب تک قائم رہے گا۔ ہم تو

ترس گئے عائشہ بھابی کہنے کو

عائشہ صابر کے ساتھ LOOKS EXCHANGE کرتی ہے۔

نرگس :- اور بھائی جان ؟ وہی اگلے تلے ہیں یا

صابر :- یہ ٹرٹر بند کرو اور بتاؤ کہ تم یہ آنا فانا لاہور میں کیسے چک چڑیں ؟

نرگس :- واہ بھائی جان شادی ہوئی نہیں اور ابھی سے اس گھر میں بہنوں کے

داخلے پر اعتراض ہو رہا ہے۔ (شہادت کی انگلی کھڑی کر کے) یاد رکھئے ہمیشہ

بہنیں ہی کام آتی ہیں۔ یہ مستقبل کی بیویاں وغیرہ تو

صابر :- (ہنستے ہوئے) تمہارے باؤرنی پن سے تو تنگ آکر تمہاری شادی کی

تھی، ہمیں کیا پتہ تھا۔

نرگس :- اللہ بھائی جان! پورے دو گھنٹے جہاز میں منہ بند کیے بیٹھی رہی ہوں۔
ایر ہوٹس سے گپ لگانے کی کوشش کی تو وہ بھی آپ کی طرح سٹری ہوئی
نکلی....

صابر :- زہیر ساتھ نہیں آئے کیا؟

نرگس :- وہ ساتھ ہوتے تو میں منہ بند کیے بیٹھی رہتی؟... دروازے کی طرف
جا کر، امی، ابو آپ بھی! ادھر ڈرائیونگ روم میں آجائیے، مجھ سے وہاں چارپائی
پر نہیں بیٹھا جاتا۔

پچھلے ہٹ کر صوفے پر براجمان ہو جاتی ہے اور عائشہ سے مخاطب ہوتی ہے۔

نرگس :- آج خالہ جان نیچے نہیں آئیں کیا؟

عائشہ :- بیمار ہیں قدرے....

نرگس :- اوہ...

عائشہ :- معمولی زکام ہے۔

نرگس :- (دُکھتے ہوئے) میں انہیں سلام کراؤں...

عائشہ :- ابھی سو رہی ہیں۔

نرگس پھر بیٹھ جاتی ہے۔ اس دوران ماں اور باپ اندر داخل ہوتے ہیں۔ وہ بیٹی
کی آمد سے خوش ہیں۔ باپ اپنا حقہ بھی ساتھ لایا ہے۔

صابر :- کتنے روز قیام رہے گا؟

نرگس :- (دہنس کر) جب تک آپ کی شادی کی تاریخ طے نہیں ہو جاتی....

اور آپ کون ہیں پوچھنے والے؟ اپنے ابو کے گھر آئی ہوں۔ جب تک

جی چاہے گا رہوں گی۔

ماں :- نرگس بیٹی زبیر ساتھ کیوں نہیں آیا ؟

نرگس :- وہ یورپ گئے ہیں چند روز کے لیے۔ میں نے ساتھ چلنے کے لیے صند کی تو کہنے لگے صبح شام کاروباری مصروفیات ہوں گی۔ یورپ ہو جاؤ گی۔ (دہنس کر) میں نے کہا ٹھیک ہے، ہمیں ہمارے یورپ بھیج دیجیئے۔ اپنی امی کے پاس۔
 باپ :- زبیر کو ملے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا۔ نرگس اسے کہو کہ یورپ کے چکروں میں لاہور کے ایک نکتے کا بھی اضافہ کرے۔

نرگس :- سخت مصروف ہوتے ہیں ابا جان... اور پھر۔ (ڈرائیونگ روم کو دیکھتی ہے) بید کی کرسیاں، کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے، تنگ فرش، وہ علیحدہ بیڈ روم کے بغیر ذرا UNCOMFORTABLE محسوس کرتے ہیں۔ اور یہاں جگہ کی تنگی کے باعث....

خاموش ہو جاتی ہے۔

تمام کردار ایک لمحے کے لیے خاموش ہو جاتے ہیں۔ باپ حقے کا کش لگاتا ہے۔

باپ :- ہاں۔ بڑے کاروبار میں مصروفیت تو ہوتی ہی ہے... خاص طور پر ریڈی میڈ ملبوسات کے کاروبار میں۔

نرگس :- وہ تو ہم نے فروخت کر دیا۔ ابو... اس میں تو اب بہت سے لوگ آگئے ہیں۔ منافع کی شرح بہت کم ہو گئی تھی۔ اب ہینڈی کرافٹس برآمد کرتے ہیں۔

ماں :- (حیرت سے) ہانڈی کیا ؟

باپ :- ارے ہانڈی نہیں صابر کی امی۔ ہینڈی کرافٹس۔ یہ نہیں ہوتے گھگھو گھوڑے۔ ٹوٹے پرانے برتن، گگڑوں ایسے رنگ برنگے کپڑے، لوہے کے زیور اور ہانڈیاں۔ (دہنس کر) ہاں تم ٹھیک کہتی ہو ہانڈی کرافٹس۔
 نرگس :- یورپ میں بے انتہا مانگ ہے ابو۔ ابھی پچھلے دنوں زبیر نے چار ہزار

سفید شٹل کاک نما برقعے برآمد کیے ہیں۔

ماں :- ہائیں ! تو اب یہ میمیں بھی پردہ کرنے لگی ہیں۔

نرگس :- نہیں امی۔ وہاں جب یہ میمیں سمندر کے کنارے نہانے کی غرض سے جاتی

ہیں نا۔ تو ان برقعوں کو اوڑھ کر اندر کپڑے بدلتی ہیں۔

ماں :- کھلے بندوں نہاتی ہیں۔ تو بہ تو بہ !

نرگس :- مزید ارباب یہ ہے کہ آرڈر تو دس ہزار برقعوں کا تھا مگر پورے پاکستان

میں کُل چار ہزار دستیاب ہوئے۔

ماں :- (سنجیدگی سے) مجھ سے کہتیں میں اپنا برقعہ بھی تمہیں بھیج دیتی۔ سفید

کریب کا ہے۔

سب لوگ ہنستے ہیں۔ ماں انہیں گھورتی ہے۔

نرگس :- اوہ ! (جیسے یکدم کچھ یاد آتا ہے) بھائی جان ! میں تو بھول ہی گئی تھی۔

آپ کے لیے ایک زبردست قسم کی ہینڈی کرافٹ لائی ہوں۔ ذرا ٹھہریے۔

بھاگ کر مشترکہ بیڈروم میں جاتی ہے۔ واپس آتی ہے تو ہاتھ میں ایک بنڈل ہے۔

کھولتی ہے۔ یہ پھلیاں پکڑنے کا ایک جال ہے۔ کناروں پر خوب صورت منکے لگے

ہیں۔ پھیلا کر صابر کے آگے تان دیتی ہے۔ کیمرا جال میں سے صابر پر کلوز ہوتا

ہے۔ صابر جال دیکھ کر مبہوت ہے۔

نرگس :- پسند آیا بھائی جان !

صابر خاموش رہتا ہے۔ نرگس جال کو اسی طرح تانے کا رنس کی جانب بڑھتی ہے۔

نرگس :- کبھی کبھار زیر میر مجھے بھی ANTIQUES تلاش کرنے کے لیے بھیج دیتے

ہیں۔ چند روز پیشتر میں کراچی سے باہر پھیروں کی ایک بستی میں گئی۔ ماہی گیر

عورتوں کے پرانے چاندی کے زیور خریدنے کی خاطر۔ (جال کا رنس پر ٹسکا

دیتی ہے، یہاں کیسا رہے گا۔ یہ جال ایک جھونپڑی کے دروازے پر لٹک رہا تھا۔ میں نے فوراً خرید لیا۔ یہاں ۸۵۵ لگتا ہے نا؟ اس میں آپ کی اور عائشہ کی تصویریں سجائیں گے۔ شادی کی تصویریں۔ (کارنس پر دھری عائشہ کی تصویر جال کے چھپے ہے۔ کیمرا اس کا کلوز لیتا ہے) پسند آیا بھائی جان؟

کیمرا صابر پر جاتا ہے۔ اس کی نظریں جال پر جمی ہوئی ہیں۔ اور وہ مبہوت بیٹھا ہے۔

———— فلیش بیک ————

فلیش بیک ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ سکریں پر وقفوں کے بعد آتے ہیں، درمیان میں صابر کے کلوز کی انٹرکننگ ہیں۔ تمام STILLS ہیں۔

———— فلیش بیک ختم ————

صابر کی سٹل حرکت میں آتی ہے۔

صابر :- ہاں بے حد خوب صورت ہے۔

عائشہ جو اس دوران کونے میں خاموش کھڑی ہے۔ نرگس کی طرف آتی ہے۔

عائشہ :- نرگس اب میں چلتی ہوں۔ اتنی جاگ گئی ہوں گی، انہیں چائے بنا کر دینی ہے۔ تم فارغ ہو کر آ جانا۔

جانے کے لیے دروازے کی طرف بڑھتی ہے۔

ماں :- عائشہ بیٹی چائے کی پتی تو ہے نا؟

عائشہ :- دُٹے بغیر، جی خالہ جان۔ آج تو گزارہ ہو جائے گا۔

صابر کی طرف دیکھ کر باہر جاتی ہے۔ نرگس صابر کے پاس آکر بیٹھ جاتی ہے۔

نرگس :- بھائی جان آپ کے انٹرویو کا کیا ہوا؟

باپ :- دلتخی سے، یوں کہو انٹرویوز کا کیا ہوا؟

صابر کندھے سکیڑ کر خاموش رہتا ہے۔

نرگس :- بھائی جان آپ برا نہ مائیں تو ایک بات کہوں؟ زبیر نے مجھے کئی بار کہا ہے۔ میں نے سوچا آپ MIND نہ کر جائیں۔ وہ آپ کے لیے بے حد CONCERNED ہیں۔ اتنا وسیع کاروبار اب اکیلے ان کے بس کا روگ نہیں رہا۔ ہمیں ایجنٹوں کی سخت ضرورت ہے۔ اگر آپ

صابر :- (سختی سے) نہیں

پاپ :- (طنز یہ انداز میں) نہ نہ نرگس بیٹی ایسی باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔ میرا پڑھا لکھا بیٹا خود بڑا آدمی بنے گا۔ کسی سہارے کے بغیر۔ سفارش کے بغیر۔ اپنی ڈگریوں کے بل بوتے پر

ماں :- گھر پڑے پڑے آپ کا تو دماغ چل گیا ہے۔ اس میں صابر کا کیا تصور ہے۔

۹ -

پاپ :- جی ہاں اس میں صابر کا کیا تصور ہے۔ تصور وار تو میں ہوں کہ میں نے کوئی جادو ادبنا نے کی بجائے اسے پڑھایا لکھایا اس سے بہتر تھا کہ میں اسے بچپن سے ہی کسی کارخانے میں ملازم کروا دیتا۔ شیخ فضل محمد کا بیٹا بچپن میں خراد کے کارخانے میں نوکر ہوا اور اب اچھا خاصا انجینئر بن کر دو بی چلا گیا ہے۔ مورد الزام تو ہم ٹھہرائیں۔ تمہاری بہن کو جس نے اپنی تمام پنشن یک مشت وصول کر کے اپنی بیٹی کا میسر بنا لیا ہے۔ عائشہ کو بھی دوش دینے کی وہ ایک نکمٹو کے لیے اپنی زندگی برباد کر رہی ہے۔ تو بہ! تو بہ! بھلا صابر کا اس میں کیا تصور ہے۔ درجنوں مرتبہ ایسی نوکریوں کے لیے گیا۔ جہاں با آسانی میں اس کی سفارش کروا کر اسے بھرتی کروا سکتا تھا۔ کئی بار ذرا نچلے درجے کی ملازمت کی آفر ہوئی تو جناب نے

حقارت سے ٹھکرا دی کہ میں تو یہ DESERVE ہی نہیں کرتا۔ اس کے تمام پار دوست اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔ کامیاب کاروباری ہیں اور یہ ذات شریف ابھی تک ریٹائرڈ باپ کی پنشن پر چل رہے ہیں۔ صابر کے چہرے پر پینہ اور آنکھوں میں غصہ۔

ٹھیک ہے حفاظت کریں عزت نفس کی۔ سبنت سینت کر رکھیں۔ خود اعتمادی اور قابلیت کو مگر کمائیں توہی۔ کاروبار شروع کرنے کا مشورہ دیتا ہوں تو ارشاد ہوتا ہے۔ ابا جان! بھلا ہزار دو ہزار میں آج کل کون سا کاروبار شروع کیا جاسکتا ہے۔ بھئی خوانچہ لگا لو۔ کھوکھا بنا لو۔ ریڑھی پر پھل سجا لو۔ یہ لوگ بھی تو عزت نفس کے مالک ہوتے ہیں۔

صابر اٹھتا ہے اور کمرے سے باہر نکل جاتا ہے۔

ماں :- صابر بیٹے!

باپ حقے کاش لگاتا ہے۔ نرگس جال کے قریب سر جھکائے کھڑی ہے۔

سین نمبر

ایک تنگ بازار۔ بے شمار ریڑھیوں والے۔ خوانچہ فروش۔ کچھ زمین پر بیٹھے ہوئے اشیاء فروخت کر رہے ہیں۔ سیکنڈ ہینڈ کپڑے بیچنے والے۔ سب شور مچا رہے ہیں۔ کیلے دودو آنے۔ دودو آنے۔ آفت لادتے جے دودو آنے۔ ملے۔ رستاں دے بھرے۔ ملے رستاں نال بھرے۔

”کپڑوں والا۔“ ویتی مال۔ تین تین روپے۔ تین تین۔۔۔ اس قسم کی بہت سی آوازیں ٹریفک کا شور بھی سنائی دے رہا ہے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی۔ پہلوان کیلے خرید رہے ہیں۔ برقعہ پوش عورتیں سیکنڈ ہینڈ کپڑوں کو الٹ پلٹ رہی ہیں۔ صابر اس بازار میں داخل ہوتا ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے ہر

ریڑھی ہر خواہنے والے کے پاس کھڑا ہوتا ہے۔ جیسے جائزہ لے رہا ہو۔
 پھر ایک سگریٹ فروش بوڑھے کے قریب آکر کھڑا ہو جاتا ہے، جس نے
 زمین پر خواہنے لگا رکھا ہے۔ گاہک کو پان بنا کر دے رہا ہے۔ صابر اسے
 غور سے دیکھتا ہے۔ گاہک چلا جاتا ہے۔

صابر :- باباجی! ایک سگریٹ تو دیجئے۔

سگریٹ فروش :- بابو جی فلٹر والا پیو گے یا بغیر فلٹر والا ؟

صابر :- فلٹر کے بغیر....

سگریٹ فروش سگریٹ دیتا ہے۔

سگریٹ فروش :- بابو جی فلٹر کے ساتھ پیاکرو پھیپڑے خراب نہیں ہوتے۔

صابر :- جب تک تمہا کو اور ہونٹوں کا بلا واسطہ ملاپ نہ ہو مجھے تو لطف ہی نہیں

آتا۔ یوں لگتا ہے، جیسے ریڑ کا سوٹ پہن کر غسل کر رہا ہوں۔

سگریٹ فروش :- کچھ نہ سمجھتے ہوئے، میں نے تو اس لیے کہا تھا کہ فلٹر سگریٹ

کی کڑواہٹ کو کم کر دیتا ہے۔ دیوار کا کام دیتا ہے بابو جی !

صابر :- ایک بات تو بتائیں باباجی.... (جھجکتے ہوئے) روزانہ کتنا کما لیتے ہو؟

ایک گاہک آکر سگریٹ مانگتا ہے۔ سگریٹ فروش اسے سگریٹ دیتا ہے۔ پھر صابر
 کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

سگریٹ فروش :- کیا پوچھ رہے تھے بابو جی ؟

صابر :- روزانہ کتنا کما لیتے ہو ؟

سگریٹ فروش :- دیان کا بیڑہ منہ میں ڈالتے ہوئے سوچ کر، بس گزارا ہو

جاتا ہے اللہ کے فضل سے۔

صابر :- پھر بھی ؟

سگرٹ فروش :- پندرہ بیس روپے تو بیچ ہی جاتے ہیں۔

صابر :- یہ کاروبار شروع کرنے پر کتنی رقم خرچ ہوئی تھی؟

سگرٹ فروش :- اجی صاحب کیسا کاروبار؟ یہ تو غریبی دعویٰ ہے۔ جتنا کمایا

دس بیس روپے نکال کر پھر مال لے آئے۔ پانچ سات سو میں گاڑی چس

نکلتی ہے... ہاں اگر ہنگے سگرٹ اور سمگلنگ کا مال رکھیں تو پھر زیادہ

رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔

صابر :- پھر تو مزے میں ہو باباجی۔ عزت کی روٹی کھاتے ہو۔

سگرٹ فروش :- صرف روٹی کھاتے ہیں بابو جی! عزت و زت کی بات چھوڑیں

کا پوریشن کا ٹرک آنکے توجب تک جیب نہ گرم کریں تمام مال اور خزانچہ

ٹرک میں ڈال لیتے ہیں۔ پولیس والے بھی تنگ کرتے ہیں۔ اس بازار کے

بڑے دکانداروں نے ایک مرتبہ سب خزانچہ فروشوں کو نکال باہر کیا تھا۔

رات کو۔ اور رات کو ہی اصل کاروبار ہوتا ہے۔ کئی مرتبہ بالو لوگ آتے

ہیں... ذرا موڈ میں... پان سگرٹ لے کر پیسے دیے بغیر چلے جاتے ہیں۔

عزت کی تو مت پوچھو بابو جی۔ بس گزارا جو کرنا ہوا۔

صابر :- سب خزانچہ فروشوں اور ریٹھی والوں کا یہی حشر ہوتا ہے؟

سگرٹ فروش :- جتنا بڑا خزانچہ ہو گا اتنی بڑی مصیبت۔ میرا تو چھوٹا سا خزانچہ

ہے۔ ٹرک آجائے تو اٹھا کر سامنے والی گلی میں گھس جاتا ہوں... لیکن

آپ کیوں پوچھتے ہیں۔ اخبار میں کام کرتے ہیں؟

صابر :- نہیں۔ میں تو کہیں بھی کام نہیں کرتا۔ ایک سگرٹ اور دے دیجئے۔

سگرٹ فروش سگرٹ دیتا ہے۔

صابر :- یہ نہیں۔ فلٹر والا دیجئے۔

سگرٹ فردش حیران ہو کر سگرٹ بدل دیتا ہے۔

مونٹاز

وقت گزرنے کا تاثر دینا مقصود ہے۔ تقریباً آٹھ دس روز۔ صابر منظر کا
کی طرح نہر کے کنارے چل رہا ہے۔ پانی میں سورج کا عکس۔ خزاں رسیدہ پتے،
دیرانی۔ سوچ بچار کا عمل جاری ہے۔ سگرٹ پی رہا ہے۔ پچھلے تمام مناظر اس کے
ذہن میں گڈمڈ ہو رہے ہیں۔ واٹر سی بڑھی ہوئی ہے۔ اگر مناسب ہو تو پچھلے چند
مکالمے مار کر دوائے جاسکتے ہیں۔

سین نمبر ۸

منظر ۱ والی SITUATION اور سیٹ۔ یعنی مشترکہ بیڈ روم اور رات
کا پچھلا پہر۔ فرق یہ ہے کہ اب نرگس بھی صابر کے برابر والی چار پائی پر بخواب
ہے۔ بگلی کے پار کھمبار روشن ہے۔ صابر حسب معمول کروٹیں بدل رہا ہے۔ بار بار
گھڑی دیکھتا ہے۔ کھجے کا بلب ٹگل ہوتے ہی اٹھتا ہے۔ دبے پاؤں ڈرائینگ
روم میں داخل ہوتا ہے۔ کارنس کے آگے تنا جال اتارتا ہے۔ اور ادھر ادھر
چوروں کی طرح دیکھتا ہوا اسے بغل میں داب کر نکل جاتا ہے۔ صحن میں داخل
ہوتا ہے۔ جال کھول کر بڑے پیار سے کپڑوں والی تارپر لٹکا دیتا ہے۔ ٹوٹی ہوئی آرام
کرسی پر بیٹھ جاتا ہے، اور نظریں جال پر جما دیتا ہے۔

منظر ۲ والی موسیقی اور بیک گراؤنڈ از حد ضروری ہے۔ ہلکی روشنی
پھیلتی ہے۔ سورج ابھرتا ہے۔ صابر جیسے ایک خاص لمحے کے انتظار میں ہو۔ سورج
کی پہلی جھلک پر منظر ۱ کی طرح خوش نہیں ہوتا۔ انتظار کرتا ہے۔ بالآخر سورج
عین جال کے درمیان میں آ جاتا ہے۔ اس لمحے اس کے چہرے پر منظر ۱ والے
مسترت کے احساسات وارد ہوتے ہیں۔